۷

جماعت کے افراد میں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے

(فرمودہ ۲۴؍فروری ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''خدّام الاحمدیہ کے مقاصد میں سے چار کے متعلق مَیں اِس وقت تک توجّہ دِلا چُکا ہوں اور آج پانچویں امر کے متعلق توجّہ دلاتا ہوں اور وہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہے۔ یہ معاملہ بظاہر چھوٹا سا نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ اپنے اندر اتنے فوائد اور اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اِس کا اندازہ الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل دُنیا کی اقتصادی حالت اور اخلاقی حالت اور اس کے نتیجہ میں مذہبی حالت جو ہے اِس پر علاوہ دینی مسائل کے جو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں اُن میں سے یہ مسئلہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اقتصادی اور اخلاقی حالت کی تباہی بہت کچھ مبنی ہے اِن دو باتوں پر کہ دُنیا میں بعض لوگ کام کرنا چاہتے ہیں اور ان کو کام ملتا نہیں اور بعض ایسے لوگ ہیں کہ انہیں کام کرنے کے مواقع میسّر ہیں مگر وہ کام کرتے نہیں۔ یہ تمام آجکل کی لڑائیاں، یہ بالشوازم، یہ فیسی ازم کی تحریکیں، سوشلزم اور کیپٹلزم کے دُنیا پر حملے یہ سب درحقیقت اِسی چھوٹے سے نقطہ کے اِرد گرد گھوم رہے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں انسان ہیں جو چاہتے ہیں کہ کام کریں مگر اِنہیں کام میسّر نہیں آتا اور لاکھوں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو کام کر سکتے ہیں مگر

کرتے نہیں۔ جولوگ کام کرنا چاہتے ہیں مگر اُنہیں ملتا نہیں اِس کی بنیاد بھی درحقیقت اِسی مسئلہ پر ہے کہ کچھ لوگ دُنیا میں ایسے ہیں کہ جو کام کر سکتے ہیں اُنہیں مواقع میسّر ہیں مگر وہ کرتے نہیں۔ یہ لوگ آگے پھر دو گروہوں میں تقسیم شُدہ ہیں۔ایک وہ جن کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ باقی دُنیا کو ہماری خدمت کرنی چاہئے اور ہم گویا ایک ایسا وجود ہیں جو دُنیا سے خدمت لینے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ گروہ فطرتی طور پر اِس ہتھیار کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اِسے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ خدمت لینے کے قابل کر دے اور وہ دولت ہے۔ جب انسان یہ سمجھے کہ اِس کی عزت اور امن و راحت کا انحصار دولت پر ہے تو وہ لازمی طور پر اپنی دولت کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک طبعی چیز ہے۔ ہم اِس اصول کو غلط کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا میں دولت سے عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے مگر یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے وہ اُسے بڑھانے میں غلطی کرتا ہے۔ وہ اپنے نقطۂ نگاہ سے بِالکل صحیح کرتا ہے۔مومن یہ سمجھتا ہے کہ اِس کی ساری عزت خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں ہے اور کیا ہم اِسے روکیں گے کہ یہ تعلق نہ بڑھا، یا اگر وہ یہ کوشش کرے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ غیر طبعی فعل کرتا ہے۔ جب اِس کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام عزّتیں اور رحمتیں خدا تعالیٰ سے تعلق کے ساتھ وابستہ ہیں تو وہ قدرتی طور پر کوشش کرے گا کہ اِس تعلق کو بڑھائے۔ اِسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اِس کی ساری عزت اور راحت و امن دولت میں ہے تو ضرور ہے کہ وہ دولت کو بڑھانے کی کوشش کرے گا اور اِس کی اِس کوشش پر ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ یہ طبعی تقاضا ہے۔ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اِس کا یہ خیال غلط ہے کہ ساری عزّت اور راحت دولت سے وابستہ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے دولت میں اضافہ کی کوشش کرنا غیر طبعی فعل ہے۔جس طرح ہم اِس شخص کو جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عزّت اور راحت تعلق بِاللہ میں ہے اِس سے باز نہیں رکھ سکتے کہ وہ خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھائے۔ دُنیا میں ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے ہیں جن کی زندگی کا دارومدار اور انحصار ہی تعلق باللہ پر ہوتا ہے اور پھر اِن کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا اِسی تعلیم پر یقین ہوتا ہے۔لوگوں نے کِس طرح کوششیں کیں کہ اِن کو اِس راستہ سے ہٹا دیں مگر کیا اُنہوں نے اِس کو چھوڑا؟ اِن کو طرح طرح کے عذاب دیئے گئے، دُکھ پہنچائے گئے

مگر اُنہوں نے اپنا راستہ نہ چھوڑا کیونکہ ان کا یہی عقیدہ تھا کہ تمام عزّت اور راحت اِسی سے ہے۔ اِس طرح جس شخص کو یہ یقین ہو کہ اُس کی ساری عزّت و راحت دولت جمع کرنے میں ہے خواہ کتنی کوشش کی جائے وہ دولت جمع کرنا کبھی نہیں چھوڑے گا۔

دوسری طرف جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اِس میں دولت کمانے سے منع نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں مومن اور خالص مومنوں کے لئے بعض احکام ہیں اور اِن میں ڈھیروں ڈھیر مال کا ذکر ہے۔ چنانچہ حکم ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ڈھیروں ڈھیر مال بھی دیا ہو تب بھی یہ جائز نہیں کہ طلاق دیتے وقت اُسے واپس لے[1] اور ظاہر ہے کہ ڈھیروں ڈھیر مال کسی کے پاس ہو گا تو دے گا نہیں تو کہاں سے دے گا؟ کنگال آدمی ڈھیروں ڈھیر مال کہاں سے دے سکتا ہے؟ اگر دولت کمانا منع ہوتا تو ایسی مثالیں بھی قرآن کریم میں نہ ہوتیں۔ پھر قرآن کریم میں زکوٰۃ کا حکم ہے جو مال پر ہی دی جاتی ہے۔ پھر تقسیم ورثہ کا حکم ہے۔ اگر دولت کمانا جائز نہ ہوتا تو پھر تقسیم ورثہ کا حکم ہی نہ ہوتا اور اِسی طرح صدقہ خیرات کے حکم بھی قرآن کریم میں نہ ہوتے اگر یہ احکام یونہی تھے تو یہ کیوں نہ بتایا کہ اگر کسی کے گھر میں شراب کا مٹکا ہو تو اُسے یوں تقسیم کیا جائے یا یہ کہ کسی مسلمان کے گھر میں سُؤر کا گوشت ہو تو اُسے یوں تقسیم کیا جائے۔ پس اگر دولت کمانا اسلام میں منع ہوتا تو ایسے احکام بھی نہ ہوتے۔ اسلام نے دولت کمانے سے منع نہیں کیا بلکہ جس چیز کو منع کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اِس دولت کو محفوظ کر کے ایسے رنگ میں رکھ لیتا ہے کہ دُنیا کو اِس کے فائدہ سے محروم کرتا ہے۔ روپیہ کو بنکوں میں جمع رکھا جاتا ہے یا خزانوں میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اِس طرح خود تو اِس سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے مگر وہ دولت دوسروں کے کام نہیں آ سکتی۔ جس چیز سے اسلام روکتا ہے وہ یہ ہے کہ اِس طرح دولت کو محفوظ نہ کر لو کہ دوسرے اِس کے فائدہ سے محروم رہ جائیں اور یہ کہ سُود نہ لو کیونکہ اِس سے دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے اور باقی لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ جس دولت سے دُنیا کو فائدہ پہنچے اِس سے اسلام نے نہیں روکا، جس کا فائدہ صرف مالک کو ہو اُس سے روکتا ہے۔ جو لوگ سُود پر روپیہ لیتے ہیں لوگ اُن کو کروڑوں روپیہ دے دیتے ہیں کہ نفع ملے گا۔ اِسی طرح وہ روپیہ سمیٹ لیتے ہیں اور روپیہ چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتا ہے۔

پہلے تو لوگ ان کو اِس لئے روپیہ دیتے ہیں کہ سُود ملے گا لیکن آخرکار اِن کے دستِ نگر ہو جاتے ہیں اور اِس طرح جو روپیہ جمع کرتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ روپیہ جمع کرتے چلے جائیں تا دوسروں سے غلامی کروا سکیں اور خدمت کرا سکیں۔ اِس چیز سے قرآن کریم نے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں قیامت کے دن اِسے جلا کر اِن کے بدن کو داغ دیا جائے گا۔[۲] اِس سونا چاندی سے مُراد استعمال والا سونا چاندی نہیں جو جائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کا حکم ہے اور حدیثوں میں یہ تفاصیل بیان کی گئی ہیں کہ اتنے سونے اور اتنی چاندی پر اتنی زکوٰۃ دینی چاہئے۔ اگر سونا چاندی پاس رکھنا ہی منع ہوتا تو اُس پر زکوٰۃ کے کوئی معنے ہی نہ تھے۔ کیا شراب پر بھی کوئی زکوٰۃ ہے؟ تو یہ درمیانی رستہ ہے جو اسلام نے بتایا ہے اور ایسی دولت سے منع کیا ہے جس کے فائدہ سے دوسرے لوگ محروم رہ جائیں۔ جو لوگ اِس طرح دولت جمع کرتے ہیں وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہاتھ سے کام نہیں کرتے۔ اِن کے مدّ نظر ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اِن کے پاس روپیہ ہو تو لوگوں سے کام لیں۔ خود چارپائی پر بیٹھے ہیں اور دوسرے کو حکم دیتے ہیں کہ پاخانہ میں لوٹا رکھ آؤ اور اِس قدر نکمّے ہو جاتے ہیں کہ پاخانہ سے واپس آتے ہوئے لوٹا وہیں چھوڑ آتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ او کمبخت کہاں گیا جا لوٹا اُٹھا لا۔ اِن کو کوئی کام کرنا نصیب ہی نہیں ہوتا اور چونکہ اِن کو دوسروں سے کام لینے کی عادت ہو جاتی ہے اِس لئے یہی لوگ ہیں جو دُنیا میں غلامی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اِن کا وجود غلامی کا منبع ہوتا ہے اور دُنیا میں اِن کے ذریعہ غلامی اِس طرح پھیلتی ہے جس طرح طاعون کے کیڑوں سے طاعون پھیلتی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ دُنیا کی حالت ایسی رہے کہ اِس میں ایک طبقہ ایسے لوگوں کا رہے جو اِن کی خدمت کرتے رہیں اور وہ اِس کے لئے کوشش بھی کرتے رہتے ہیں جس طرح حکومت کو گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اِس کے لئے وہ زمینداروں کو مربعے دیتی ہے کہ گھوڑے پالیں اِسی طرح جو لوگ اِس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ ہاتھ سے کام نہ کریں یا بعض کاموں میں اپنی ہتک سمجھیں وہ لازماً کوشش کرتے ہیں کہ دُنیا کا کچھ حصّہ غریب رہے اور اِن کی خدمت کرتا رہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر دُنیا کی حالت اچھی ہو جائے تو وہ کام کس سے لیں گے۔ یہ باریک باتیں شاید

زمینداروں کی سمجھ میں نہ آ سکیں اِس لئے مَیں اِسے ایک موٹی مثال سے واضح کر دیتا ہوں جس سے ہر شخص اِس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ ایک دفعہ مجھے اطلاع ملی کہ شکرگڑھ کی تحصیل میں بعض ادنیٰ اقوام ہیں جن کو آریہ ہندو بنا رہے ہیں اور مجھے اطلاع ملی کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر مسلمان ہم کو اپنے ساتھ ملا لیں تو ہم مسلمان ہو جائیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو ہو کر بھی ہماری حالت اچھی نہ ہوگی۔ کئی پیغام مجھے آئے اور مَیں نے ایک دو مبلّغ وہاں بھیج دیئے کہ جا کر اِن میں تبلیغ کریں اور پھر ہم اِن کے لئے انتظام کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلے پہل تو مجھے رپورٹ ملتی رہی کہ وہاں بڑا اچھا کام ہو رہا ہے اور اُمید ہے کہ سینکڑوں ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر دس بارہ روز کے بعد یہ رپورٹیں آنی شروع ہوئیں کہ سخت مخالفت ہو رہی ہے اور ہمارے مبلّغوں کو لوگ اپنے گاؤں میں ٹھہرنے تک نہیں دیتے۔ یہ رپورٹیں سُن کر مجھے بہت حیرانی ہوئی کیونکہ وہ سارا علاقہ مسلمانوں کا ہے اور مجھے اُمید تھی کہ مسلمان ضرور مدد کریں گے لیکن مجھے بتایا گیا کہ اِس علاقہ کے ذیلدار نے جو مسلمان ہے سب کام چھوڑ چھاڑ کر ہماری مخالفت شروع کر رکھی ہے اور بعض نمبرداروں کو ساتھ لے کر وہ ہمارے آدمیوں کے پیچھے پیچھے پھرتا اور ہر گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے کہتا ہے کہ اِن کو یہاں ٹکنے نہ دو اور اِس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ اگر اُنہوں نے ان لوگوں کو مسلمان بنا لیا تو پھر ہمارے جو جانور مر جایا کریں گے اُنہیں کون اُٹھا کر لے جایا کرے گا اور اُن کی کھالیں کون اُتارا کرے گا؟ اگر ان لوگوں میں یہ عادت نہ ہوتی کہ ایک خاص قسم کے کام نہیں کرنے تو اِن کو اِس مخالفت کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ تو بعض قسم کے کام کرنا امراء اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ زمینداروں میں بھی یہ عادت ہے کہ وہ بعض خاص قسم کے کام خود کرنا ہتک سمجھتے ہیں اور اِن کو کمیوں کے کام سمجھتے ہیں۔ اِن کمیوں کی اصلاح کا سوال جب بھی پیدا ہوگا زمیندار فوراً لڑائی پر آمادہ ہو جائیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اِس طرح ہمارے کام رُک جائیں گے۔

جب قادیان میں چوہڑوں کو اسلام میں داخل کرنے کا سوال پیدا ہوا تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ بعض احمدیوں نے مجھ سے کہا کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ہمارے گھروں کی صفائی کون کرے گا؟ یہ دقّت ان کو صرف اِس وجہ سے نظر آئی کہ ان کو ایک خاص قسم کا کام کرنے کی

عادت نہ تھی اور جسے بِالکل ہی کام کرنے کی عادت نہ ہو اُسے غصّہ آئے گا۔ جب وہ یہ محسوس کرے گا کہ اب اِس کی خدمت کرنے والے نہیں رہیں گے۔ اگر زمینداروں کو یہ عادت ہوتی کہ اپنے مُردہ جانوروں کو خود ہی باہر پھینک دیں تو شکرگڑھ کی تحصیل کے زمیندار ہماری مخالفت نہ کرتے۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ ایک تو کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے اور دوسرے کسی کام کو ذلیل نہ سمجھا جائے۔ ہاں نوکر رکھ لینا اَور بات ہے۔ اگر کسی کا کام زیادہ ہو جسے وہ خود نہ کرسکتا ہو تو وہ کسی کو مددگار کے طور پر رکھ سکتا ہے۔ بعض بڑے زمیندار بھی اپنے ساتھ ہالی رکھ لیتے ہیں لیکن اِس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ہل نہیں چلاتے۔ وہ خود بھی چلاتے ہیں اِس لئے ان کو یہ فکر نہیں ہوتا کہ اگر ہالی نہ رہے تو وہ کیا کریں گے۔ کیونکہ وہ خود بھی ہل چلانے میں عار نہیں سمجھتے لیکن جن کاموں کو لوگ اپنے لئے عار سمجھتے ہیں اُن کے کرنے والوں کی اصلاح کا اگر سوال پیدا ہو تو وہ ضرور ناراض ہوتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس کے بعد یہ ہتک والا کام ہمیں خود کرنا پڑے گا اور اِس لئے جب میں کہتا ہوں کہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے تو اِس میں دونوں باتیں شامل ہیں یعنی یہ بھی اِس میں شامل ہے کہ کسی کام کو اپنے لئے عار نہ سمجھا جائے۔ یوں تو سارے ہی لوگ ہاتھ سے کام کرتے ہیں مَیں جو لکھتا ہوں یہ بھی ہاتھ سے ہی کام ہے۔ کیا ہاتھ سے نہیں تو زبان سے لکھا جاتا ہے؟

پس ہاتھ سے کام کرنے کو جب مَیں کہتا ہوں تو اُس کے معنے یہ ہیں کہ وہ عام کام جن کو دُنیا میں عام طور پر بُرا سمجھا جاتا ہے اُن کو بھی کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ مثلاً مٹی ڈھونا یا ٹوکری اُٹھانا ہے، کہی چلانا ہے۔ اَوسط طبقہ اور امیر طبقہ کے لوگ یہ کام اگر کبھی کبھی کریں تو یہ ہاتھ سے کام کرنا ہوگا ورنہ یوں تو سب ہی ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ یہ کام ہمارے جیسے لوگوں کے لئے ہیں کیونکہ ہمیں اِن کی عادت نہیں۔ اگر ہم نے اِس کی طرف توجّہ نہ کی تو ہوسکتا ہے کہ ہماری عادتیں ایسی خراب ہو جائیں یا اگر ہماری نہ ہوں تو ہماری اولادوں کی عادتیں ایسی خراب ہو جائیں کہ وہ اُن کو بُرا سمجھنے لگیں اور پھر کوشش کریں کہ دُنیا میں ایسے لوگ باقی رہیں جو ایسے کام کیا کریں اور اِسی کا نام غلامی ہے۔

پس جائز کام کرنے کی عادت ہر شخص کو ہونی چاہئے تا کسی کام کے متعلق یہ خیال نہ ہو کہ یہ

بُرا ہے۔ ہمارے مُلک کی ذہنیت ایسی بُری ہے کہ عام طور پر لوگ لوہار، ترکھان وغیرہ کو کمیں سمجھتے ہیں اور جس طرح یہ لوہار، ترکھان اور چوہڑوں کو ذلیل سمجھتے ہیں اِسی طرح دوسرے لوگ اِن کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا لڑکا پولیس یا فوج میں سپاہی ہو جائے اور سترہ روپیہ ماہوار تنخواہ پانے لگے تو اِس پر بہت خوشی کی جاتی ہے لیکن اگر وہ پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار کمانے والا ترکھان یا لوہار بن جائے تو تمام قوم روئے گی کہ اِس نے ہماری ناک کاٹ ڈالی کیونکہ اِسے کمیوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ اِس قسم کے کاموں کی جماعت میں عادت ڈالی جائے۔ ایک طرف تو کام کرنے کی عادت ہو اور دوسری طرف ایسے کاموں کو عیب نہ سمجھنے کی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعت کا کوئی طبقہ ایسا نہیں رہے گا کہ جو کسی حالت میں بھی یہ کوشش کرے کہ دُنیا میں ضرور کوئی نہ کوئی حصّہ غلام رہے اور اگر کبھی اِس کی اصلاح کا سوال پیدا ہو تو اِس میں روک بنے۔ جیسے جب یہاں چوہڑوں کو داخلِ اسلام کرنے کا سوال پیدا ہؤا تو بعض لوگ گھبرانے لگے تھے۔ جماعت کے کچھ لوگ بڑھئی بنیں، کچھ لوہار بنیں، کچھ ملازمتیں کریں غرضیکہ کوئی خاص کام کسی سے منسوب نہ ہو، تا وہ ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اِس تحریک سے دو ضروری فوائد حاصل ہوں گے: ایک تو نکمّا پن دُور ہو گا اور دوسرے غلامی کو قائم رکھنے والی رُوح کبھی پیدا نہ ہوگی۔ یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ فلاں کام بُرا ہے اور فلاں اچھا ہے۔ بُرا کام کوئی نہ کرے اور اچھا چھوٹے بڑے سب کریں۔ بُرا کام مثلاً چوری ہے، یہ کوئی بھی نہ کرے اور جو اچھے ہیں اُن میں سے کسی کو عار نہ سمجھا جائے تا اُس کے کرنے والے ذلیل نہ سمجھے جائیں اور جب دُنیا میں یہ مادہ پیدا ہو جائے کہ کام کرنا ہے اور نکمّا نہیں رہنا اور کسی کام کو ذلیل نہیں سمجھنا تو اِس طرح کوئی طبقہ ایسا نہیں رہے گا جو دُنیا میں غلامی چاہتا ہو۔ اِسی لئے مَیں نے کوشش کی تھی کہ ملازموں کی تنخواہیں بڑھ جائیں تا لوگ ملازم کم رکھیں اور اپنے کام خود کریں۔

اب تو یہ حالت ہے کہ نوکر دو چار روپے میں مل جاتے ہیں اِس لئے ذرا کِسی کے پاس پیسے ہوتے ہیں تو جھٹ وہ نوکر رکھ لیتا ہے اور اِس طرح اِس میں سُستی اور غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے مُلک میں یہ سُستی اور غفلت اِس حد تک ترقی کر گئی ہے کہ معمولی لوگ بھی اپنا اسباب اُٹھانا ہتک سمجھتے ہیں حالانکہ ولایت میں بڑے بڑے لکھ پتی خود اپنے اسباب

اُٹھالیتے ہیں۔ جب مَیں ولایت میں گیا تو میرے ساتھی باوجودیکہ غرباء کے طبقہ میں سے ہی تھے امراء تو ہم میں ہیں ہی نہیں سب غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ اپنا اسباب اُٹھانے سے گھبراتے تھے۔ جب مَیں فرانس میں سے گزرا تو امریکہ کے کچھ لوگ میرے ہم سفر تھے وہ دس بارہ آدمی تھے جو یورپ کی سیر کرنے کے لئے آئے تھے۔ ان کے تموّل کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے ہوٹلوں میں ٹھہرتے تھے جہاں پندرہ بیس روپیہ روزانہ فی کس خرچ ہوتا ہے اور اِس طرح میرا اندازہ ہے کہ اُن کا کھانے پینے کا خرچ چار پانچ ہزار روپیہ ماہوار ہوگا، کرائے الگ تھے۔ وہ فرسٹ کلاس میں سفر کرتے تھے اور اِس طرح پندرہ بیس ہزار روپیہ ان کا کرایوں وغیرہ پر بھی خرچ ہؤا ہوگا اور اِس طرح میرا اندازہ ہے کہ ان کا کل خرچ ساٹھ ستّر ہزار روپیہ ہؤا ہوگا جس سے ان کے تموّل کا حال معلوم ہوسکتا ہے لیکن جب وہ گاڑی سے اُترے تو مَیں نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک دو دو تین تین گٹھڑیاں اور بکس اُٹھائے جا رہا ہے مگر ہمارے دوستوں کی یہ حالت تھی کہ مجھے تو اُنہوں نے کہہ دیا کہ آپ چلئے ہم اسباب لاتے ہیں۔ مَیں ان کی باتوں میں آ گیا اور آگے چلا آیا مگر بہت دیر ہوگئی اور کوئی نہ آیا۔ جہاز کے افسر نے بھی مجھے کہا کہ آپ سوار ہوں جہاز بالکل روانہ ہونے کے لئے تیار ہے مگر مَیں نے کہا کہ ابھی تو میرے ساتھی اور اسباب نہیں آیا۔ آخر مَیں واپس آیا اور وجہ دریافت کی تو معلوم ہؤا کہ اسباب اُٹھانے کے لئے قُلی نہیں ملتے اور ہمارے دوست حیران تھے کہ کیا کریں؟ اِس وقت اتفاقاً کچھ آدمیوں کا انتظام سٹیشن والوں نے کر دیا اور کچھ سامان ہمارے بعض دوستوں نے اُٹھایا اور اِس طرح جہاز پر پہنچے۔ جب ہم لنڈن پہنچے تو دوسرے روز ہی مجھے معلوم ہؤا کہ ہماری پارٹی میں اختلاف ہے۔ بعض چہروں سے بھی ناراضگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ مَیں نے تحقیقات کی کہ اِس کی وجہ کیا ہے تو معلوم ہؤا کہ جب گاڑی سے اُترے تو یہ سوال پیدا ہؤا کہ سامان مکان کی چھت پر پہنچانے کے لئے قُلیوں کی ضرورت ہے مگر قلی ملتے نہیں۔ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب اُن دنوں وہاں تھے اور ہمارے ساتھ ہی ٹھہرے تھے اور مکان کے انتظام کے لئے پہلے سے مکان میں آ گئے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ جب اُنہوں نے یہ حال دیکھا تو اپنے ایک جرمن معزز دوست کے ساتھ مل کر اُنہوں نے اسباب اوپر پہنچانا شروع کیا جس پر بعض اَور دوست

بھی شامل ہو گئے اور چونکہ چودہری صاحب نے ملامت کی کہ آپ لوگ خود کیوں اسباب نہیں اُٹھاتے ؟ بعض ساتھیوں نے اِسے بُرا منایا اور رنجش پیدا ہوئی۔ جن صاحب کو یہ امر سب سے زیادہ بُرا لگا وہ ہماری جماعت کے تازہ باغیوں کے سردار صاحب تھے لیکن یورپ کے لوگ اِس بات میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ وہاں بھی ایسے لوگ ہیں جو دوسروں سے کام لیتے ہیں مگر سفر وغیرہ کے مواقع پر اسباب اُٹھانے میں وہ بھی تأمل نہیں کرتے۔ غرض کام نہ کرنے کی عادت انسان کو بہت خراب کرتی ہے۔ کسی مُلک میں جو مثالیں بنی ہوئی ہوتی ہیں وہ دراصل اِس مُلک کی حالت پر دلالت کرتی ہیں اور قوم کا کیریکٹر اِن میں بیان ہوتا ہے۔ ہمارے مُلک میں یہ مشہور ہے کہ کوئی سپاہی سفر پر جا رہا تھا کہ اُسے آوازیں آنی شروع ہوئیں کہ میاں سپاہی! ذرا اِدھر آنا اور جلدی آنا بڑا ضروری کام ہے۔ وہ ایک ضروری کام سے جا رہا تھا اور پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ سے اُسے یہ آواز آ رہی تھی مگر خیر وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ دو آدمی لیٹے ہوئے ہیں ان میں سے ایک اِسے کہنے لگا کہ میاں سپاہی یہ میری چھاتی پر بیر پڑا ہے اُسے اُٹھا کر میرے مُنہ میں ڈال دو۔ یہ سُن کر اُسے بہت غصّہ آیا اور اُس نے اسے گالیاں دیں اور کہا کہ تُو بڑا نالائق ہے مَیں ضروری سفر پر جا رہا تھا تم نے مجھے پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ سے بُلایا۔ تمہاری چھاتی پر بیر تھا جسے تم خود اُٹھا کر کھا سکتے تھے تم کوئی لولے لنگڑے تو نہ تھے کہ مجھے اتنی دور سے بُلایا۔ اِس پر دوسرے شخص نے کہا کہ میاں سپاہی جانے دو کیوں اِتنا غصّہ کرتے ہو۔ یہ شخص تو ہے ہی ایسا۔ یہ کسی کام کا نہیں اور اِس قابل نہیں کہ اِس کی اصلاح ہو سکے۔ اِس کی سُستی کی تو یہ حالت ہے کہ ساری رات کُتّا میرا مُنہ چاٹتا رہا اور اِس سے اتنا نہ ہو سکا کہ اِسے ہشت ہی کر دے۔ اِس مثال میں ہمارے مُلک کی بے عملی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہر مُلک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں مگر یہاں بہت زیادہ ہیں یہاں جو کام کرنے والے ہیں وہ بھی سُست ہیں۔ مَیں نے کئی دفعہ سُنایا ہے کہ یہاں جو مزدور اینٹیں اُٹھاتے ہیں وہ اِس طرح ہاتھ لگاتے ہیں کہ گویا وہ انڈے ہیں آہستہ آہستہ اُٹھاتے ہیں اور پھر اُٹھاتے اور رکھتے وقت کمر سیدھی کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتے ہیں کہ لاؤ ذرا حُقّہ کے تو دو کش لگا لیں لیکن ولائت میں مَیں نے دیکھا ہے کہ حالت ہی اَور ہے۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم کو مَیں نے

ایک دفعہ توجہ دلائی اُنہوں نے کہا کہ میرا بھی خیال اِسی طرف تھا۔ گویا ایک ہی وقت دونوں کو اِس طرف توجہ ہوئی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ اِن لوگوں کو دیکھ کر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام کررہے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ لگی ہوئی ہے اور یہ اِسے بجھا رہے ہیں کوئی سُستی ان میں نظر نہیں آتی۔ ایک دفعہ ہم گھر میں بیٹھے تھے کھڑکی کھلی ہوئی تھی کہ گلی میں چند عورتیں نظر آئیں جو لباس سے آسودہ حال معلوم ہوتی تھیں مگر نہایت جلدی جلدی چل رہی تھیں مَیں نے حافظ صاحب سے کہا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ حافظ صاحب ذہین آدمی تھے سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ مَیں نے یہاں کسی کو چلتے دیکھا ہی نہیں سب لوگ یہاں دوڑتے ہیں۔ غرض وہاں کے لوگ ہر کام ایسی مُستعدی سے کرتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے لیکن ہمارے مُلک میں جدھر دیکھو سخت غفلت اور سُستی چھائی ہوئی ہے۔ کسی کو چلتے دیکھو تو سُستی کی ایسی لعنت ہے کہ چاہتا ہے ہر قدم پر کیلے کی طرح گڑ جائے یہاں جو کام کرنے والے ہیں وہ بھی گویا نکمّے ہی ہیں اور جو سُست ہیں اور کام کرتے ہی نہیں ان سے تو اللہ کی پناہ۔ ان کی حالت تو وہی ہے کہ بیر اُٹھا کر مُنہ میں نہیں ڈال سکتے بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر اِس کے ساتھی کی جس نے کہا تھا کہ ساری رات کُتّا میرا مُنہ چاٹتا رہا اور اِس نے ہشت تک نہ کی۔ کمبخت تُو نے آپ ہی کیوں نہ ہشت کہہ دیا؟ حضرت خلیفہ اوّل ایک شخص کے متعلق سُنایا کرتے تھے۔ وہ ایک گاؤں کا رہنے والا اور اچھا مخلص احمدی تھا۔ زمین وغیرہ اچھی تھی اور باپ نے کچھ روپیہ بھی چھوڑا تھا۔ وہ یہاں آیا اور شہری لوگوں سے اُس کے تعلقات ہوئے تو دماغ بگڑ گیا اور لگا روپیہ اُڑانے۔ جس کے نتیجہ میں روپیہ میں کمی آنے لگی۔ حضرت خلیفہ اوّل نے ایک دفعہ اُسے کام کرنے کی طرف توجہ دلائی تو اُس نے کہا کہ میری تو یہ حالت ہے کہ اگر لاہور جاؤں اور میرے پاس کوئی ٹرنک یا اسباب نہ ہو تو اپنا رومال قلی کو پکڑا دیتا ہوں تا دیکھنے والے یہ تو سمجھیں کہ کوئی شریف آدمی جا رہا ہے۔ شریف بننا کوئی آسان کام تو نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اپنی ساری دولت لُٹا دی اور آخر لڑکیوں کو ساتھ لے کر عیسائی ہو گیا۔ اِس کی لڑکیاں بھی اب عیسائی ہیں۔ گویا ان میں سے بعض دل میں سمجھتی ہوں کہ عیسائیت سچا مذہب نہیں مگر بہرحال وہ عیسائی ہیں۔ تو کام کرنے کی عادت ڈالنا نہایت ہی اہم چیز ہے اور اِسے جماعت کے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے

تا جو لوگ سُست ہیں وہ بھی چُست ہو جائیں اور ایسا تو کوئی بھی نہ رہے جو کام کرنے کو عیب سمجھتا ہو۔ جب تک ہم یہ احساس نہ مٹا دیں کہ بعض کام ذلیل ہیں اور اِن کو کرنا ہتک ہے یا یہ کہ ہاتھ سے کما کر کھانا ذلت ہے اُس وقت تک ہم دُنیا سے غلامی کو نہیں مِٹا سکتے۔ لوہار، بڑھئی، دھوبی، نائی غرضیکہ کسی کا کام ذلیل نہیں۔ یہ سارے کام دراصل لوگ خود کرتے ہیں۔ ہر شخص تزئین کرتا ہے، اپنی داڑھی اور مونچھوں کی صفائی کرتا ہے۔ یہی حجام کا کام ہے۔ بچہ پیشاب کردے تو امیر غریب ہر ایک اِسے دھوتا ہے جو دھوبی کا کام ہے تو یہ سب کام انسان کسی نہ کسی رنگ میں خود کرتا ہے مگر اِس طرح کہ کسی کو پتہ نہ لگے اور خود بھی محسوس نہ کرے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ ایسے رنگ میں کرے کہ وہ سمجھتا ہو کہ گو یہ کام بُرا سمجھا جاتا ہے مگر دراصل بُرا نہیں اور اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہر انسان اپنی طہارت کرتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہی چوہڑوں والا کام ہے اور جب تک کوئی شخص یہ چوہڑوں والا کام نہ کرے لوگ اِسے پاگل سمجھتے ہیں اور اِس سے زیادہ غلیظ اور کوئی ہوتا نہیں تو جب تک ایسے تمام کام کرنے کی عادت نہ ہو اِن کے کرنے والوں کی اصلاح بُری لگتی ہے۔ جیسے یہاں چوہڑوں کی اصلاح پر بعض لوگوں کو گھبراہٹ ہوئی تھی۔ حالانکہ مکّہ اور مدینہ میں کوئی چوہڑے نہ ہوتے تھے۔ آخر وہاں گزارہ ہوتا ہی تھا اور اب تو ولایت میں بلکہ ہندوستان میں بمبئی اور کلکتہ وغیرہ میں بھی ایسے پاخانے بنا دیئے گئے ہیں کہ چوہڑوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ لاہور میں بھی اِس کا انتظام زیرِ تجویز ہے۔ پاخانہ میں جاؤ تو نلکے لگے ہوئے ہیں، فارغ ہونے کے بعد نلکا کھول دو۔ زمین کے نیچے سرنگیں بنی ہوئی ہیں جن میں سے پاخانہ بہہ کر جنگل میں چلا جاتا ہے اور وہاں کھاد کے کام آتا ہے۔ بہرحال کسی جماعت کا یہ خیال کرنا کہ اِس کے بعض افراد گندے ہیں اور بعض اچھے ہیں ایسا ذلیل خیال ہے کہ اِس سے زیادہ ذلیل اور نہیں ہوسکتا۔ اگر واقعی کسی کے اندر گند ہے تو اِس کی اصلاح کرنی چاہئے لیکن اگر وہ اچھے ہیں تو ان سے نفرت کرنا اپنے اوپر اور اپنی قوم کے اوپر ظلم ہے۔

چونکہ اپنے اپنے طور پر ہاتھ سے کام کرنے کی نگرانی نہیں ہوسکتی اِس لئے مَیں نے تحریک کی تھی کہ قومی طور پر یہ کام کیا جائے اور سڑکیں بنائی اور نالیاں درست کی جائیں تا نگرانی ہو سکے اور دوسروں کو بھی تحریک ہو۔ اِس کے سوا بھی اِس میں کئی فائدے ہیں مثلاً جس قوم میں یہ

عادت پیدا ہو جائے اُس کی اقتصادی حالت اچھی ہو جائے گی، اِس سے سوال کی عادت دُور ہو جائے گی، اِس کے افراد میں سُستی نہیں پیدا ہوگی۔ پھر جن لوگوں کی اقتصادی حالت اچھی ہوگی وہ چندے بھی زیادہ دے سکیں گے، بچوں کو تعلیم دِلا سکیں گے اور اِس طرح اِن کی اخلاقی حالت درست ہوگی تو اِس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ مگر سب سے اہم امر یہ ہے کہ اِس سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے اور دُنیا سے غلامی مٹتی ہے۔ جب تک دُنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت نہیں وہ کوشش کریں گے کہ ایسے لوگ دُنیا میں موجود رہیں جو اِن کی خدمت کرتے رہیں اور دُنیا ترقی نہ کرے۔ میری غرض یہ ہے کہ اِس کام کو نہایت اہمیت دی جائے اور پورے اہتمام سے شروع کیا جائے۔ افسوس ہے کہ اِس وقت تک کوئی مستعدی نہیں دکھائی گئی۔ یہاں بھی خدّام الاحمدیہ کو یہ کام شروع کر دینا چاہیئے اور پھر دوسرے گاؤں اور شہروں میں بھی شروع ہونا چاہیئے۔ گاؤں کے لوگوں کو صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ گاؤں میں بہت گند ہوتا ہے اور گاؤں کا تو کیا کہنا مجھے خود کئی لوگوں نے یہ طعنے دیئے ہیں کہ سب سے زیادہ گند یہاں احمدیہ چوک میں ہوتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اپنے ساتھ بعض انگریز دوستوں کو یہاں لاتے رہے ہیں، وہ سب اِس بات کی تو تعریف کرتے ہیں کہ محلے بہت اچھے ہیں، سڑکیں چوڑی ہیں مگر صفائی نہ ہونے کی شکایت وہ بھی کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رستہ سے کانٹا ہٹا دینا بھی نیکی ہے[3] اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو رستہ پر پاخانہ پھرتا ہے اُس پر لعنت ہوتی ہے[4] مگر شاید لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ راستہ پر پاخانہ کرنا ہی لعنت کا موجب ہے گھر میں سے خواہ دس آدمیوں کا پاخانہ اُٹھا کر گلی میں پھینک دو یہ کوئی بُری بات نہیں۔ مَیں پوچھتا ہوں کیا قادیان کی کوئی بھی گلی ہے جو صاف رہتی ہو؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گلی میں پاخانہ بیٹھنے سے کیوں منع فرمایا ہے؟ اِس لئے کہ اِس سے گندگی پھیلتی ہے، وبائیں اور بیماریاں پھیلتی ہیں۔ آپ نے ایک کے پاخانہ کرنے کو منع فرمایا ہے مگر تم ہو کہ دس کا پاخانہ گلی میں پھینک دیتے ہو اور پھر سمجھتے ہو کہ اِس سے تم پر کوئی لعنت نہیں پڑتی۔ پھر مَیں نے دیکھا ہے جانور ذبح کر کے بال و پَر، اوجھڑیاں اور ان کا پاخانہ وغیرہ سب گلی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مُرغیاں آ کر اِن کو نوچتی ہیں، آنت توڑ کر الگ کر لیتی ہیں اور

پاخانہ الگ ہو جاتا ہے اِس پر پھر مکھیاں بیٹھ کر دوسری کھانے کی چیزوں پر آ کر بیٹھتی ہیں اور وہی پھر آٹے اور کھانے کی چیزوں پر بیٹھتی ہیں۔ پھر لوگ اِسے کھا کر پاخانہ کرتے ہیں اور پھر اِس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور جس طرح بادل سمندر سے بنتے اور پھر پانی بن کر سمندر میں چلے جاتے ہیں اِسی طرح اِس گندگی کا بھی حال ہے۔ بعض لوگ تو ایسے احمق ہیں کہ وہ گندہ رہنے کو نیکی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صفائیاں کرنا انگریزوں کا کام ہے ہم مومن اور مخلص ہیں ہمیں اِن باتوں سے کیا؟ وہ مومن مخلص اِسے سمجھتے ہیں جو زیادہ گندہ ہو۔ زمانہ کتنا بدل جاتا ہے۔ مَیں سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے حالات ایک تاریخ کی کتاب میں پڑھ رہا تھا گو اِس زمانہ میں مسلمانوں میں تنزل کے آثار شروع ہو گئے تھے مگر پھر بھی میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب مَیں نے دیکھا کہ اِس میں صفحوں کے صفحے اِس موضوع پر لکھے ہوئے ہیں کہ ایک یورپین عیسائی اور شامی مسلمان میں کیا فرق ہے؟ اور فرق یہ بتائے گئے ہیں کہ مسلمان صاف ستھرا ہوتا ہے اِس کا بدن اور اِس کے کپڑے اور مکان صاف ہوتا ہے لیکن یورپین گندہ ہوتا ہے اِس کے بال اور ناخن بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، اِس کا بدن اور لباس غلیظ ہوتا ہے۔ یہ اُس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت تھی مگر آج کیا ہے؟ آج ایشیا کا مسلمان غلیظ اور یورپین عیسائی صاف ستھرا ہوتا ہے۔ پھر وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ عجیب بات یہ ہے کہ عیسائیوں کو سمجھاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں تصوّف یہی ہے اور بعینہٖ آج یہ حالت مسلمانوں کی ہے۔ آج مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ وہی چیزیں جو عیسائیوں میں تھیں آج اِن میں آ گئی ہیں اور جو اِن میں تھیں وہ عیسائیوں میں چلی گئی ہیں۔ بالکل اُلٹ معاملہ ہو گیا ہے۔ جس طرح بچے کھیلتے ہیں اور ایک دوسرے کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے۔ جو نیچے ہوتا ہے وہ کہتا ہے میرے کوٹھے کون چڑھی؟ یعنی میرے مکان کی چھت پر کون چڑھا ہے۔ اوپر والا جواب دیتا ہے کانٹو۔ نیچے والا کہتا ہے اُتر کانٹو میں چڑھاں۔ یعنے کانٹو اُتر و اب میری باری چڑھنے کی ہے۔ اس پر جو گھوڑا تھا وہ سوار ہو جاتا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں یوروپین عیسائیوں اور ایشیائی مسلمانوں میں بِالکل ایسا ہی کھیل کھیلا گیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب کہا جاتا تھا کون غلیظ ہے؟ تو جواب ملتا تھا عیسائی اور جب کہا جاتا تھا کون صاف ہے؟ تو جواب ملتا تھا مسلمان۔ مگر آج جب کہا جاتا ہے کون صاف ہے؟ تو جواب ملتا ہے عیسائی۔

اور جب کہا جاتا ہے کون غلیظ ہے؟ تو جواب ملتا ہے مسلمان۔ مگر اِس تجویز پر عمل کر کے ہر جگہ کے احمدی اِس حالت کے برعکس نقشہ دکھا سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی یہاں بھی عمل شروع نہیں ہؤا۔ خدّام الاحمدیہ کو چاہئے کہ اِس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور دوسروں کو سمجھائیں اور عملاً کام کریں۔ مَیں نے جو اعلان عملی کام کے متعلق کیا تھا مجھے معلوم ہؤا ہے کہ خدّام الاحمدیہ اِس سے غافل نہیں ہیں۔ جو کام اِن کے سپرد کیا گیا تھا اُس کے لئے انجینئروں کے مشورے کی ضرورت ہے جو لیا جارہا ہے اور اِس کے بعد کام شروع کر دیا جائے گا مگر اِن کا صرف یہی کام نہیں بلکہ اَور بھی کئی کام ہیں۔ جب تک یہ شروع نہیں ہوتا وہ یہ دیکھیں کہ لوگ گلیوں میں گند نہ پھینکیں اور اگر کوئی پھینکے تو سب مل کر اُسے اُٹھائیں۔ تھوڑی سی محنت سے صفائی کی حالت اچھی ہو سکتی ہے۔ گاؤں میں رہنے والے احمدیوں کو بھی صفائی کی طرف خاص توجہ چاہئے۔ مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض زمیندار عورتیں بیعت کے لئے آتی ہیں کسی کے بچہ نے فرش پر پاخانہ کر دیا تو اُس نے ہاتھ سے اُٹھا کر جھولی میں ڈال لیا اور سمجھ لیا کہ بس صفائی ہوگئی۔ اِن کے جانے کے بعد ہم اِسے دھوتے ہیں لیکن وہ اپنی طرف سے سمجھ لیتی ہیں کہ بس صفائی ہو چکی۔ یہ حالت مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ۔ اب غور تو کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں کہ رستہ میں پاخانہ کرنے والے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ کیا وہ اِس نظّارہ کو برداشت کر سکتے تھے۔ پھر یہی نہیں مَیں نے بعض زمیندار عورتوں کو اپنے دوپٹہ سے بچہ کی طہارت کرتے دیکھا ہے۔ وہ یہ سمجھ لیتی ہیں کہ بس بچہ کی صفائی ہوگئی اور یہ خیال بھی نہیں کرتیں کہ بچہ کا پاخانہ اپنے سر پر رکھ رہی ہیں۔ ہمارے مُلک میں گندگی کا مفہوم ہی بِالکل بدل گیا ہے اور یہ ہاتھ سے کام نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ سب کسل اور سُستی ہے کہ کون اُٹھے اور کون دھوئے اور کون صفائی کرتا پھرے؟

مَیں نے خدام الاحمدیہ کو توجہ دلائی تھی کہ وہ اِس کام کو خاص طور پر شروع کریں اور اب بھی جب تک وہ سکیم نہ بنے ہر محلّہ کے ممبر ذمہ دار سمجھے جائیں اِس محلّہ کی صفائی کے۔ پہلے لوگوں کو منع کرو اور سمجھاؤ کہ گلی میں گندگی نہ پھینکیں اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو پھر خود جا کر اُٹھائیں۔

جب وہ خود اُٹھائیں گے تو پھینکنے والوں کو بھی شرم آئے گی اور جب عورتیں دیکھیں گی کہ وہ جو گند گلی میں پھینکتی ہیں وہ ان کے باپ یا بھائی یا بیٹے کو اُٹھانی پڑتی ہے تو وہ سمجھیں گی یہ بُرا کام ہے اور وہ اِس سے باز رہیں گی۔ لوگ ہزار یا پانچ سو یا کم و بیش روپیہ لگا کر مکان بنا لیتے ہیں مگر یہ نہیں کرتے کہ چند فٹ کا ایک چھوٹا سا گڑھا گلی میں بنوالیں اور اِس گلی کے سب مکانوں والے اِسی میں گندی چیزیں پھینکیں اور پھر صفائی کرنے والے آ کر وہیں سے لے جائیں۔ یورپ میں مَیں نے دیکھا ہے سب سڑکوں پر ایسے گڑھے ہوتے ہیں جن کے اوپر ڈھکنے پڑے رہتے ہیں۔ لوگ اِس میں گندی چیزیں پھینک جاتے ہیں اور سرکاری آدمی آ کر اُٹھاتے جاتے ہیں۔ اگر یہ طریق یہاں بھی اختیار کر لیا جائے تو بہت مُفید ہوگا۔ اگر ہر گلی والے صفائی کے خیال سے ایسا گڑھا بنوائیں تو اِس پر زیادہ سے زیادہ چار پانچ روپیہ خرچ ہوگا اور میرے نزدیک پانچ چھ سال تک کام دے سکتا ہے۔ اِس کے بعد بھی اگر مرمت کی ضرورت پیش آئے تو اِس پر روپیہ دو روپیہ سے زیادہ خرچ نہ ہوگا اور اگر گلی میں دس گھر ہوں تو آٹھ آٹھ آنہ ہر ایک کے حصّہ میں آئیں گے اور پھر اِس خرچ کو پانچ سال پر لے جایا جائے تو سات پیسے فی سال کا خرچ ہوگا۔ اگر اِس خرچ سے صفائی کی حالت اچھی ہو جائے تو کتنا سستا ہے۔ اِس سے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت سے بھی بچ سکتا ہے۔ اِس قسم کی صفائی اگر سب جگہ جاری کی جائے تو یہ ایک بڑی نیکی ہوگی۔ دیہات میں بھی اِس کی طرف توجّہ کی جانی چاہئے وہاں لوگ گندگی کو رُوڑی کے نام سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حالانکہ گورنمنٹ کی طرف سے بارہا اِس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اِس طرح کھاد کا مُفید حصّہ ضائع ہو جاتا ہے۔ نوشادر وغیرہ کے جو اجزاء اِس میں ہوتے ہیں وہ سب اُڑ جاتے ہیں۔ کھاد تبھی اچھی ہو سکتی ہے جب زمین میں دفن ہو، ننگی رہنے سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے اِس کی طاقت کا مادہ اُڑ جاتا ہے۔ اِس لئے اچھی کھاد وہ ہے جو زمین میں دفن رہے۔ تو جو رُوڑیاں دیہات میں رکھی جاتی ہیں وہ گند ہوتا ہے کھاد نہیں۔ پھر اِس میں رُوڑی کے علاوہ زمینداروں کے مدّنظر ایک اور سوال اُپلوں کا ہوتا ہے جو وہ جلاتے ہیں حالانکہ یہ کتنی غلیظ بات ہے کہ پاخانہ سے روٹی پکائی جائے۔ مانا کہ وہ پاخانہ جانور کا ہے مگر کیا جانور کا پاخانہ کھانے کے لئے کوئی تیار ہو سکتا ہے؟ اِس پر رکھ کر پھُلکے سینکتے ہیں

اور پھر انہیں کھاتے ہیں۔ بائیبل میں یہود کی سزا کے متعلق آتا ہے تم انسان کے پاخانہ سے روٹی پکا کر کھاؤ گے۔[۵] گو وہاں انسانی پاخانہ کا ذکر گندی شے ہے۔ خواہ نسبتاً کم ہو اِس سے روٹی پکانی بھی یقیناً ایک سزا ہے۔ مگر دیہات میں اِس کی آگ جلائی جاتی ہے اور اِس سے کھانا پکایا جاتا ہے حالانکہ اگر درخت لگانے کی عادت ڈالی جائے تو یہ کئی لحاظ سے مُفید ہو۔ جلانے کے لئے لکڑی بھی مل جائے، سایہ بھی ہو اور پھر ایسے درخت لگائے جا سکتے ہیں جن کا فائدہ بھی ہو۔ مثلاً شہتوت کے درخت ہیں ان پر اگر ریشم کے کیڑے چھوڑ دیئے جائیں تو ایک ایک درخت پر دس روپیہ کا ریشم تیار ہو سکتا ہے اور اگر دو چار درخت ہی اِس کے لگا لئے جائیں تو گھر والوں کے کپڑے ہی اِس کی آمد سے تیار ہو سکتے ہیں اور لکڑی بھی جلانے کے لئے کافی مل سکے گی۔ پھر جس جگہ درخت ہوں وہاں بارشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور جہاں درخت نہ ہوں وہاں بارش کم ہوتی ہے اور جب ہو تو مٹی بہہ بہہ کر وہ جگہ نشیب بن جاتی ہے۔ غرضیکہ بیسیوں فوائد ہیں مگر اُپلوں کے استعمال کی وجہ سے زمینداران سے محروم رہتے ہیں۔ اِس کی وجہ سے درخت کی ضرورت بہت کم محسوس کی جاتی ہے۔ اِس لئے لوگ لگاتے ہی نہیں صرف ہل وغیرہ کے لئے لکڑی کی ضرورت اُن کو پیش آتی ہے۔ باقی کھانا وغیرہ گوبر سے پکا لیتے ہیں۔

ہاتھ سے کام میں جو صفائی کا حصّہ ہوتا ہے اِس کے ضمن میں مَیں نے یہ مثال دی ہے۔ اِس تحریک کو عام کرنا چاہئے اور ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ اِسے اِس طرح پھیلائیں کہ اِس کا اثر نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ کوئی کام اِس وقت تک مُفید نہیں ہو سکتا جب تک قوم پر اِس کا اثر نہ ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دودھ پینے کے لئے دیا۔ اُس نے پیا تو آپ نے فرمایا اور پیو اُس نے اَور پیا تو آپ نے فرمایا اَور پیو، اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! اب تو میرے مساموں میں سے دودھ بہنے لگا ہے۔[۶] آپ کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ جو نعمت دے اُس کے آثار چہرہ پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ پس ہمارے سب کام اِس رنگ میں ہونے چاہئیں کہ اِن کا اثر ظاہر ہو جائے۔

مَیں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مَیں اِس صفائی کا بھی قائل نہیں ہوں جیسی بعض انگریز کرتے ہیں کہ ذرا سا دھبہ کپڑا میں لگ گیا تو اُسے اُتار دیا یا جیسا کہ آجکل کے بعض نوجوان

کرتے ہیں کہ بالوں کو برش کرتے رہے۔ کئی کئی گھنٹے بالوں اور چہرہ کی صفائی میں لگا دیتے ہیں۔ میرا مطلب صرف اِس صفائی سے ہے جو صحت پر اثر ڈالتی ہے۔ یہ کوئی صفائی نہیں کہ داڑھی اور مونچھوں کو مونڈ ھتے اور بالوں کو کنگھی اور برش کرتے رہتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِس عورت کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ یہ صفائی نہیں بلکہ لغویت اور بے ہودگی ہے۔ ہاں جہاں گندگی اور غلاظت ہو اُسے دور کرنا چاہئے۔ اگر اِس سنگار کا نام صفائی ہے تو پھر تو لندن کے چند کروڑ پتی ہی صفائی رکھ سکیں گے۔ جو یوڈی کولون پانی میں ڈال کر نہاتے ہیں۔ اگر ہمارے غریب زمیندار ایسی صفائی رکھنے لگیں تو ہر سال ایک گھماؤں زمین بیچ کر نہانے کا ہی انتظام کر سکتے ہیں مگر یہ کوئی صفائی نہیں بلکہ تعیّش ہے۔ وہ صفائی جو اسلام چاہتا ہے یہ ہے کہ گند نظر نہ آئے اور صحت خراب نہ ہو۔ پھر بعض لوگ ایسے صفائی پسند ہوتے ہیں کہ مصافحہ بھی کسی سے نہیں کرتے کہ اِس طرح کیڑے لگ جاتے ہیں۔ یہ بھی صفائی نہیں بلکہ جنون ہے۔ ایسی صفائی جو اخلاق کو تباہ کر دے جائز نہیں۔ بعض لوگ کسی کے ساتھ برتن میں کھانا نہیں کھاتے یہ بھی ان کے نزدیک صفائی ہے مگر ایسی صفائی سے اسلام منع کرتا ہے۔ جو صفائی اُخوّت اور محبت میں روک ہو وہ بے دینی ہے۔ پس ہر کام کے وقت اُس کی خوبی اور بُرائی کا موازنہ کر کے دیکھنا چاہئے اور مصافحہ کرنے سے اگر فرض کرو کوئی بیمار بھی ہو جائے یا سال میں آٹھ دس آدمی اِس طرح مر بھی جائیں تو اس محبت اور پیار کے مقابلہ میں جو اِس سے پیدا ہوتا ہے اور ان دوستیوں کے مقابلہ میں جو اِس سے قائم ہوتی ہیں اِس کی حقیقت ہی کیا ہے؟ اگر محبت کے ذریعہ لاکھوں آدمی بچیں اور آٹھ دس مر بھی جائیں تو کیا ہے؟ دیکھنا تو یہ چاہئے کہ نقصان زیادہ ہے یا فائدہ؟ اور جو چیز زیادہ ہو اُس کا خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ ہر بڑی چیز کے لئے چھوٹی قُربانی ہوتی ہے۔ پس ایسی صفائی جس سے تعیّش اور وقت کا ضیاع ہو یا جو محبت میں روک ہو اُسے مٹانا چاہئے۔ ہندوؤں میں یہ صفائی ہوتی ہے کہ بیوی ایک پتہ لے کر الگ بیٹھ جاتی ہے اور خاوند الگ اور برہمن ہر ایک کی طرف کتّے کی طرح روٹی پھینکتا جاتا ہے۔ مجھے بھی ایک دفعہ ایک ایسی دعوت کھانے کا اتفاق ہوُا جو آریہ پرتی ندھی سبھا کے مرکز میں تھی۔ سب کے آگے علیحدہ علیحدہ پتے اور ان پر کچوریاں وغیرہ رکھ دی گئیں۔ یہاں تک تو خیر تھی لیکن اِس کے بعد کی ذلّت کو کوئی مسلمان

برداشت نہیں کرسکتا۔ رسوئیا[7] آکر دروازہ میں کھڑا ہوگیا اور پوچھنے لگا کہ کس کو کتنی کچوریاں چاہئیں۔ دو چاہئیں ایک یا پونی یا آدھی یا پاؤ؟ اتنی احتیاط تھی کہ جسے پاؤ کی ضرورت ہے اُسے آدھی نہ چلی جائے تا باقی پاؤ ضائع نہ ہو اور پھر وہ وہیں سے ہر ایک کے آگے جتنی وہ مانگتا پھینک دیتا تھا اور نشانہ اُس کا واقعی قابلِ تعریف تھا۔ مَیں نے تو کہہ دیا کہ مجھے تو کوئی ضرورت نہیں۔ تو جس صفائی سے وقت ضائع ہو یا محبت میں فرق آئے یا انسانی تعلّقات میں فرق آئے وہ جائز نہیں اور یہ پہلو مَیں نے اِس لئے واضح کر دیا ہے کہ کوئی غُلو میں اِس طرف نہ نکل جائے اور تیل، کنگھی، چوٹی اور سرمہ کے استعمال کو ہی صفائی نہ سمجھ لیا جائے۔ یہ صفائی نہیں ہے۔''

(الفضل ۱۷؍مارچ ۱۹۳۹ء)

۱- وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۱﴾ (النساء:۲۱)

۲- وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ (التوبہ:۳۴، ۳۵)

۳- بخاری کتاب المظالم باب مَنْ أَخَذَ الْغُصْنَ (الخ)

۴- مسلم کتاب الطھارۃ باب النَّھْیُ عَنِ التَّخَلِی فِی الطُّرُقِ (الخ)

۵- حزقی ایل باب ۴ آیت ۱۲ تا ۱۵۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء

۶- بخاری کتاب الرِّقاق باب کَیْفَ کَانَ عَیْشُ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابِہٖ

۷- **رسوئیا:** باورچی۔ کھانا پکانے والا۔ برہمن